۲ : ۱ : ۱ اللغۃ

[الٓمٓ] حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ ان حروف کے ساتھ کوئی لغوی یا نحوی بحث وابستہ نہیں ہے۔ البتہ ان کے طریقِ تلاوت (تلفّظ) کے قواعد اور طریقِ رسم (املاء) کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ ان کے "معانی" کی بحث کسی اچھی تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو بیشتر قیاس آرائیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بعض معقول اور بیشتر غیر معقول۔ بہرحال اس کا تلفظ "اَلِفْ لَامْ مِیْمْ" ہے۔

● خیال رہے عربی میں حروفِ تہجّی کے نام "مُعرب" ہوتے ہیں مثلاً "اَلِفٌ" یا "اَلِفًا" یا "اَلِفٍ" حسبِ موقع استعمال ہوسکتا ہے۔ مگر حروفِ مقطعات میں ہر حرف کا تلفظ (اس کے آخری حرف) پر وقف کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی "اَلِفٌ، لَامٌ، مِیْمٌ" کہنے کی بجائے "اَلِفْ، لَامْ، مِیْمْ" بولا اور پڑھا جاتا ہے۔ تاہم یہ حروف لکھے ملا کر جاتے ہیں۔ مزید وضاحت عنوان "الرسم" کے تحت آئے گی (۲ : ۱ : ۳ میں)

© rasailojaraid.c

۲ : ۱ : ۱ (۱) [ذٰلِكَ] واحد مذکّر کے لئے اسم اشارہ بعید ہے (عربی میں لفظ "کتاب" مذکر ہے) اور اس کے معنی ہیں "وہ"۔ خیال رہے کہ اس اسم کا مادہ "ذ ل ك" نہیں ہے بلکہ اس کی اصل مذکر کے لئے "ذا" اور مؤنث کے لئے "ذی" یا "ذہ" یا "تی" ہے۔ اس لئے عربی معاجم (ڈکشنریوں) میں "باب الذال" کے شروع ہی میں اس پر بات کی جاتی ہے۔ اسماء اشارہ کی اصل گردان تو یوں ہے۔

		رفع	نصب	جر
(للمذکّر)	واحد	ذا	ذا	ذا
	تثنیہ	ذانِ	ذَین	ذَین
	جمع	اولاءِ	اولاءِ	اولاءِ

© rasailojaraid.c

		رفع	نصب	جر
(للمؤنث)	واحد	ذی / تی	ذی / تی	ذی / تی
	تثنیہ	تانِ	تَینِ	تَینِ
	جمع	اولاءِ	اولاءِ	اولاءِ

ان اسماء پر (شروع میں) اشارہ قریب کے لئے لفظ "ھا" لگاتے ہیں جس سے ھذا، ھذان اور ھؤلاءِ اور ھذہ، ھاتان اور ھؤلاءِ بنتے ہیں اور اشارہ بعید کے لئے ان (اصل اسماء اشارہ) کے آخر پر "كَ یا لِكَ" لگاتے ہیں۔ جس سے "ذالِكَ، ذانِكَ، اولٰئِكَ اور تِلْكَ (دراصل تیكَ)، تانِكَ اور اولٰئكَ بنتے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیل کسی اچھی عربی قاموس (ڈکشنری) یا نحو کی کسی اچھی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے[1]

● یہ بحث کہ یہاں (ذلكَ الکتاب میں) اشارۂ قریب (یہ) کی بجائے اشارۂ بعید (وہ) کیوں آیا ہے اور ہم اس کا ترجمہ "وہ" کی بجائے "یہ" سے کیوں کرتے ہیں! اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اشارۂ بعید تعظیم کے لئے بھی آتا ہے (جیسے فارسی میں "آنحضرتؐ" کہتے ہیں) مزید وجوہ کے لئے کسی اچھی تفسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ان مختلف تفسیری اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے کئی مترجمین نے "ذلكَ الکتاب" کا ترجمہ ہی "یہ وہ کتاب ہے جس ......" سے کیا ہے۔ مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ بعض دفعہ قریب اور بعید کے اسماء اشارہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال کر لئے جاتے ہیں[2]

● بعض نحوی حضرات نے اس کلمہ (ذلكَ) کی بناوٹ سے بحث کرتے ہوئے اس کی اصلی "ذا" اور اس پر "كَ یا لِكَ" کے اضافہ کی وجہ کے ساتھ "لام" کی کسرہ (ـِ) اور "كَ" کی فتحہ (ـَ) کی وجہ بیان کرنے کا تکلف بھی کیا ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہ عربوں کا استعمال ہے اور اسی استعمال میں ذلكَ کی شکل کا ضمیر خطاب کے مطابق بدلنا (یعنی ذالکم، ذلکن وغیرہ ہو جانا) بھی شامل ہے اگرچہ معنی وہی (وہ) رہتے ہیں۔

---

[1] مثلاً النحو الوافی ج ۱ ص ۲۹۸، تجدید النحو ص ۱۱۶۔ [2] دیکھیے روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۵۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

۲ : ۱ : ۱ (۲) [الکتب] کا مادہ " ک ت ب " اور وزن " فِعالٌ " ہے (الؔ کے بغیر)۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد کتَبَ ..... یکتُبُ کِتابًا (باب نصر سے) آتا ہے۔ اور اس کے بنیادی معنی ہیں "........لکھنا" پھر اس سے بعض محاورے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی اور عموماً بغیر صلہ کے (مفعول بنفسہٖ کے ساتھ) استعمال ہوتا ہے اور کبھی " علی " کے صلہ کے ساتھ (زیادہ تر بمعنی .... پر لازم قرار دینا) بھی آتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ فعل زیادہ تر تو ثلاثی مجرد (معروف اور مجہول) آیا ہے اور مزید فیہ کا ایک آدھ صیغہ بھی آیا ہے جس کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

● لفظ " کتاب " جو دراصل تو اس فعل کا ایک مصدر ہے مگر یہاں (آیت زیر مطالعہ میں) یہ مصدر بمعنی اسم المفعول (مکتوب) استعمال ہوا ہے ــــ مصدر کا کبھی بطور اسم فاعل اور کبھی بطور اسم مفعول استعمال ہونا عربی زبان میں عام ہے۔ خود قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔ (لفظ " ربّ " میں مصدر بطور اسم فاعل استعمال ہونے کی مثال آپ ابھی سورۃ الفاتحہ کے شروع میں دیکھ چکے ہیں۔ ۱ : ۲ : ۱ (۳) میں) یہ لفظ (کتاب) قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ (مختلف صورتوں مثلاً معرفہ نکرہ، مفرد، مرکّب، جمع اور مختلف حالتوں ــ رفع نصب جر ــ میں یہ لفظ کل ۲۶۱ دفعہ وارد ہوا ہے) ـــ اور اس کے معنی بھی حسب موقع مختلف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کتاب خصوصاً آسمانی کتاب۔ نوشتہ، تحریر، خط، نامہ، تقدیر (الٰہی)، فرمان، حکم وغیرہ، ان سب معنوں میں " لکھنا " کا بنیادی مفہوم موجود ہوتا ہے۔

[لَارَیْبَ فِیْہِ] یہ دراصل چار کلمات " لا "، " ریبَ "، " فِی " اور " ہ " پر مشتمل ہے۔ ہر ایک کی الگ الگ وضاحت کی جاتی ہے۔

۲ : ۱ : ۱ (۳) " لَا " یہ نفی کا حرف ہے (یعنی اس میں " نہ "، " نہیں " کا مفہوم ہوتا ہے) اور یہ کئی طرح استعمال ہوتا ہے:۔

۱۔ کبھی یہ اپنے سے بعد والے لفظ (جسے اس کا اسم کہتے ہیں) کی پوری جنس کی نفی کے لئے آتا ہے (جیسے یہاں آیت زیر مطالعہ میں ہے) اس وقت اسے

© rasailojarai
© rasailojarai

لائے نفیٔ جنس (فارسی ترکیب) یا لا لنفی الجنس (عربی ترکیب) کہتے ہیں۔ اس کا اسم ایک فتحہ (ـَ) کے ساتھ نصب میں آتا ہے اور اس کا اردو ترجمہ عموماً "کوئی ...... ہی نہیں"، یا "کسی قسم کا ...... ہے ہی نہیں" یا "کوئی بھی ... نہیں" یا مختصراً "کوئی ...... نہیں" سے کر لیتے ہیں۔ (...... خالی نقطوں والی جگہ "لا" کے اسم کے لئے ہے)۔

۲۔ کبھی یہ (لا) "عاطفہ" ہو کر آتا ہے۔ واو عاطفہ کے ساتھ بھی اور اس کے بغیر بھی۔ اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ "اور نہ ہی ......" سے کیا جاتا ہے (اس کی ایک مثال آپ "ولا الضالین" میں دیکھ چکے ہیں)۔

۳۔ کبھی "لا" "لیس" کی طرح استعمال ہوتا ہے اس وقت اسے "لا مشابہۃ بلیس" یا "لا الحجازیۃ" کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ "...... نہیں ہے" سے کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ کبھی یہ کسی سوال کے جواب میں انکار یا بے خبری ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس کا ترجمہ صرف "نہیں" کرتے ہیں۔

۵۔ اسی طرح یہ "لا" افعال کے ساتھ مل کر نفی اور نہی (روک دینا) کے معنی پیدا کرتا ہے —— وغیرہ —— "لا" کے ان مختلف استعمالات کے کچھ قواعد اور اصول ہیں جن کی تفصیل یا "یاد دہانی" کے لئے کسی ڈکشنری یا نحو کی کسی کتاب پر نظر ڈال لینا چاہیئے۔ آگے چل کر "لا" کے مزید مواقع استعمال ہمارے سامنے آئیں گے۔ اس وقت ہم "الاعراب" کی بحث میں اس جگہ استعمال ہونے والے "لا" کے نحوی قاعدے کی طرف بھی اشارہ کر دیا کریں گے۔

۱:۱:۲ (۴) "رَیْب" کا مادہ "ر ی ب" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ (مگر یائے لینہ کی وجہ سے اس کے پڑھنے کا طریقہ، حرفِ صحیح سے، جدا ہے۔) اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "راب ...... یریب رَیْباً (باب ضرب سے) بمعنی ...... کو شک یا شبہ میں ڈالنا" ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ اس فعل کے بنیادی معنی "دل میں کھٹک، بے چینی، قلق یا اضطراب پیدا کرنا" کے ہیں، تاہم اس (کے ثلاثی مجرد فعل)

© rasailojaraid
© rasailojaraid

سے قرآن کریم میں کوئی صیغہ نہیں آیا۔ البتہ مزید فیہ کے بعض ابواب (مثلاً اِفعال اور اِنفعال) سے افعال کے کچھ صیغے اور کچھ مشتقات آئے ہیں جن کی وضاحت اپنے موقع پر ہوگی۔

لفظ "ریب" (جو مذکورہ بالا فعل کا مصدر بھی ہے اور اس سے اسم بھی ہے) قرآن کریم میں اٹھارہ (۱۸) جگہ آیا ہے۔ جس میں نو (۹) دفعہ تو یہی ترکیب "لا ریب فیہ" آئی ہے۔

۲ : ۱ : ۱ (۵) "فیہ" یہ "فِي" (حرفِ جار) اور "ہ" (ضمیر مجرور برائے واحد غائب مذکر) ہے۔

● بعض دوسرے حروف جارہ کی طرح "فِي" کے بھی متعدد معانی اور مواقع استعمال ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ عموماً (۱) "...... میں" کیا جاتا ہے جو بہت سے مواقعِ استعمال کے لئے موزوں ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ (فی) (۲) "...... کے ساتھ" (۳) ...... کی بنا پر (۴) ...... کے مقابلہ پر (۵) ...... کی نسبت (۶) ...... کے بارے میں کے معنی میں بھی آتا ہے اور بعض دفعہ یہ کسی دوسرے حرفِ جار مثلاً "علی"، "بِ"، "الی" اور "مِن" کی جگہ یعنی ان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فِيْ کا ترجمہ "میں" یا "کے بارے میں" کر سکتے ہیں۔

● "فیہ" میں "فی" کے بعد جو ضمیر مجرور "ہ" ہے اسے "ہائے کنایہ" بھی کہتے ہیں اور حسب موقع اس کا تلفظ "ہٗ" (ھُوْ) "ہٖ" (ھِيْ) "ہُ" اور "ہِ" ہو سکتا ہے۔ اس (تلفظ) کا قاعدہ یہ ہے کہ (۱) اگر اس کا ماقبل مضموم یا مفتوح ہو تو اسے "ھُوْ" کی طرح بولتے ہیں جیسے رسولُہٗ اور رسولَہٗ، لَہٗ۔

(۲) اگر ماقبل مکسور ہو تو اس کا تلفظ ھِيْ ہوتا ہے جیسے بِہٖ، کتابِہٖ۔

(۳) اگر اس کا ماقبل "ی" کے علاوہ کوئی اور حرف ساکن، یا الف مدّہ یا واو ساکنہ (مدّہ یا لینہ) ہو تو اسے صرف "ہُ" بولتے ہیں مثلاً مِنْہُ، عصاہُ، اخوہُ یا اَتَوْہُ۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

(۴) اور اگر اس کا ماقبل یائے ساکنہ ہو تو اس کا تلفظ " ہِ " ہوتا ہے جیسے " فِیہِ "
میں اور یہی قاعدہ (ماقبل ساکن "یاء" والا) غائب کی دوسری ضمیروں " ھُما ' ھُمْ
اور ھُنَّ " پر چلتا ہے مثلاً فِیھِما ' فِیھِم اور فِیھِنَّ کی صورت میں البتہ واحد مؤنث
ضمیر " ھا " پر یہ قاعدہ اطلاق پذیر نہیں ہوتا ــــ

● ھائے کنایہ کے تلفظ کے مذکورہ بالا قواعد کا تعلق لغت یا نحو سے نہیں بلکہ قراءۃ اور تجوید سے ہے ۔ قرآن کریم میں تو قواعد کے مطابق حرکات لگی ہی ہوتی ہیں لیکن اس " ہ " کے تلفظ میں فرق اور اختلاف کی وجہ سمجھانے کے لئے ہم نے یہ قواعد بیان کئے ہیں اور تاکہ آپ بغیر حرکات والی عبارت میں بھی اس کو درست طریقے پر پڑھ سکیں ۔

۲:۱:۱ (۶) [ھُدًی] کا مادہ " ھ د ی " اور وزن اصلی " فُعَلٌ " ہے ۔

اس کی شکل اصلی " ھُدَیٌ " تھی ، جو بلحاظ تلفظ " ھُدَیُنْ " تھا ۔ اس میں یائے متحرکہ اپنے ماقبل کے مفتوح ہونے کی بنا پر الف میں بدل گئی یعنی " ھُدَانْ " بن گیا ۔ اب اس میں دو ساکن (ایک الف دوسرا نون) جمع ہو گئے لہٰذا الف کو گرا دیا گیا تو یہ لفظ " ھُدَنْ " رہ گیا ۔ اسی کو " ھُدًی " لکھتے ہیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ ناقص یائی ہے ۔ خیال رہے کہ اسی اوپر بیان کردہ قاعدۂ تعلیل کے مطابق " ھُدَیًا " اور " ھُدَیٍ " (منصوب و مجرور) بھی " ھُدًی " ہی رہ جاتے ہیں یعنی یہ لفظ رفع نصب جر تینوں حالتوں میں " ھُدًی " ہی رہتا ہے ۔ اور اب اس کا وزن " فُعًی " رہ جاتا ہے ۔ اس لفظ (ھُدًی) کی املاء اور تلفظ قابل غور ہے ۔ اس میں " ی " دراصل " الف " کا کام دیتی ہے ۔ یعنی بصورتِ نکرہ یہ " ھُدًا " کی طرح پڑھا جاتا ہے ۔ مضاف یا معرف باللام ہوتے وقت اسے " ھُدا " اور " الھُدا " کی مانند پڑھا جاتا ہے ۔ یہ قاعدہ اس قسم (ناقص یائی) کے تمام مصادر اور مشتقات پر اطلاق پذیر ہوتا ہے ۔ ناقص واوی یائی سے مشتق بعض اور کلمات کے آخر پر " ــًی " آنے کی وجہ بھی تعلیل کا مذکورہ بالا قاعدہ ہے (مثلاً " مُصطفًی " میں ہے) اس مادہ (ھ د ی) سے فعل ثلاثی مجرد کے استعمال کی بات سورۃ الفاتحہ میں " اِھدِنا " کے تحت گزر چکی ہے (۱:۵:۱ میں)

● ھُدًی اور ھِدایۃٌ دونوں اس فعل (ثلاثی مجرد) کے مصدر اور ہم معنی اسم بھی

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ہیں ۔ اردو میں لفظ ھدایۃ (بالملاء ھدایت) اپنے اصل عربی معنی (رہنمائی) کے ساتھ مستعمل ہے ۔ تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ (ھدایۃ) استعمال نہیں ہوا ۔ جب کہ "ھدی" لام تعریف کے ساتھ (الھدی) اور اس کے بغیر یعنی نکرہ (ھدًی) اور مفرد و مرکب شکل میں ۔ قرآن کریم میں ۔ دو سو (۲۰۰) کے قریب مقامات پر آیا ہے ۔ اور اس کے متعدد مواقع استعمال سے اس کے معنی میں تنوّع پیدا ہوتا ہے ۔ اگرچہ بنیادی معنی بھی اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں ۔

● آیت زیر مطالعہ میں "ھُدًی" (مصدر) بمعنیٔ اسم فاعل "ھادٍ" بھی لے سکتے ہیں ۔ عربی میں مصدر کا اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی میں استعمال عام ہے ۔ "ربّ" بمعنی اسم فاعل اور "کتاب" بمعنی اسم مفعول تو آپ ابھی پڑھ چکے ہیں ۔

۲:۱:۱(۷) [لِلْمُتَّقِيْنَ] یہ دراصل لِ + المتَّقِین ہے یعنی اس کے شروع میں لام الجر ہے اور "المتقین" معرف باللام بھی ہے ۔ اس لفظ (المتقین) کا مادہ "و ق ی" اور وزنِ اصلی (بغیر لام تعریف کے) "مُفْتَعِلِيْنَ" ہے ۔ جس کی شکل اصلی "مُوْتَقِيِيْنَ" تھی ۔ جس میں مثال واوی کے باب افتعال والے قاعدہ کے تحت "وْ" کو "تْ" میں بدل کر اگلی "تَ" میں مدغم کر دینے سے لفظ کا ابتدائی حصہ (مُوْتَ) "مُتَّ" میں بدل جاتا ہے پھر "ق" کے بعد آنے والی یائے مکسورہ کو (جو دراصل لام کلمہ ہے) بھی بوجہ ثقل ساقط کر دیا جاتا ہے ۔ اس طرح لفظ "مُتَّقِيْنَ" حاصل ہوتا ہے ۔

● اس مادہ (و ق ی) سے، جو لفیفِ مفروق کی ایک مثال ہے، فعل ثلاثی مجرّد وَقٰی ...... یَقِیْ (دراصل وَقَیَ یَوْقِیُ) وِقَایَۃً (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے معنی: "........ کو ...... سے بچانا یا بچا لینا" ہوتے ہیں یعنی یہ متعدی بمفعولین (دو

لہ جیسا کہ مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے، ہم اس مفروضے پر چل رہے ہیں کہ آپ ان قواعد (تعلیلات) سے آگاہ ہیں ۔ ضرورت ہو تو استحضار کے لیے عربی "صرف" کی کسی کتاب میں "ناقص" کے بیان اور اس کے صیغوں میں ہونے والے تغیّرات پر ایک نظر ڈال لیجیے ۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

مفعول) اور بغیر کسی صلہ کے آتا ہے یعنی اس کے ہر دو مفعول [جس کو بچایا جائے اور جس (چیز) سے بچایا جائے] مفعول بنفسہ (براہِ راست بغیر صلہ کے) آتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی بکثرت مثالیں سامنے آئیں گی ـــــ کبھی اس کے دوسرے مفعول سے پہلے "مِنْ" بھی لگتا ہے مثلاً "وَقَاهُ اللّٰهُ السوءَ یا مِنَ السوءِ" تاہم قرآن مجید میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ـــــ اس مادہ (وقی) سے ثلاثی مجرد کے علاوہ باب افتعال سے کچھ افعال اور کچھ دیگر مشتقات قرآن کریم میں بکثرت (۲۵۵ جگہ) استعمال ہوئے ہیں (یہاں صرف لفظ "المتقین" چالیس سے زائد جگہ آیا ہے) سب کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

● لفظ "متقین" (جس کی رفعی حالت "مُتَّقُوْنَ" ہے) کا واحد "مُتَّقِي" ہے جو اس مادہ (وقی) سے باب افتعال کے فعل اِتَّقٰی یَتَّقِي اِتِّقَاءً (دراصل اِوْتَقٰی یَوْتَقِيُ اِوْتِقَایًا) سے صیغۂ اسم فاعل ہے یعنی دراصل یہ "مُوْتَقِيٌ" (بوزنِ مُفْتَعِلٌ) ہے۔ پھر اوپر (متقین کے ضمن میں) بیان کردہ قاعدۂ تعلیل کے مطابق یہ "مُتَّقِي" رہ جاتا ہے۔ اس کی جمع سالم مذکر مرفوع "مُتَّقُوْن" (دراصل مُتَّقِیُوْن) اور منصوب و مجرور مُتَّقِیْنَ (دراصل مُتَّقِیِیْنَ) استعمال ہوتی ہے۔

● باب افتعال سے اس فعل ـــ اِتَّقٰی...... یَتَّقِي اِتِّقَاءً ـــــ کے اصل لغوی معنی تو ہیں: "...... سے اپنی بہت حفاظت کرنا"، "...... کے بارے میں سخت احتیاط سے کام لینا"، "...... سے سخت پرہیز کرنا"، "...... سے بچ کے رہنا" وغیرہ۔ اور اس سے اس میں "...... سے ڈرنا یا ڈرتے رہنا" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ فعل "اِتَّقٰی" کا مفعول ہمیشہ بنفسہ (بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ اس کی مثالیں آگے آئیں گی ـــ اس طرح لفظ "مُتَّقِي" (جس کی جمع کی ایک صورت زیرِ مطالعہ لفظ "مُتَّقِیْن" ہے) کا ترجمہ "پرہیز گار" کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں "بچنا" کا بنیادی مفہوم موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس (متّقی) کا ترجمہ "ڈرنے والا"، "ڈر والا" یا "ڈر رکھنے والا" بھی کیا جاتا ہے اور اس صورت میں "ڈر" سے مراد "اللہ عزّ وجلّ کا ڈر" ہوتا ہے

© rasailojaraid
© rasailojaraid

یعنی " اللہ کی نافرمانی کے بُرے انجام سے ڈرنے والا " اس طرح اس لفظ (متقی) کے شرعی اصطلاحی معنی بنتے ہیں : " تمام شرعی واجبات کو محض کاغذی اور رسمی کارروائی کے طور پر نہیں بلکہ صحیح معنوں میں پوری توجہ اور احتیاط سے بجا لانے والا " اور " تمام شرعاً حرام اور ممنوع کاموں سے پوری طرح بچنے والا " اور یہ سب کچھ کسی ظاہری نگرانی یا دباؤ کے بغیر خود بخود (محض اللہ عزوجل کی خاطر) کرنے والا "۔

۲:۱:۲ الاِعْرابُ

[الم] بذاتِ خود صرف تین حروف تہجّی ہیں۔ یہ کوئی " کلمہ " نہیں کہ اس کا اعراب بیان کیا جائے[1]۔ تاہم بعض نحویوں نے اس کا اعراب بیان کرنے کا تکلّف کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ (۱) یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک فعل (" اُتْلُ " یا اِقْرَأْ ") مقدر (UNDERSTOOD) ہے (۲) یا محلاً مرفوع ہے۔ اس صورت میں اس سے پہلے ایک مبتدأ (مثلاً ھذا ، ذٰلکَ ، ھو ، ھی وغیرہ) مقدّر مان لیا جاتا ہے۔ (۳) یا یہ مُقْسَمٌ بہ ہو کر مجرور (محلاً) ہے۔ اس صورت میں اس سے پہلے ایک حرفِ قَسَم (" وَ " یا " بِ ") مقدر مانا جاتا ہے گویا " الم " کی قسم کھائی گئی ہے (۴) " الم " کو مبتدأ مرفوع سمجھ کر " ذٰلکَ " کو اس کی خبر مانا جائے (یعنی الم ۔ یہ کتاب ہے)۔ مگر بعض نحویوں (مثلاً الزجاج) نے اسے غلط قرار دیا ہے[2]۔ درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سب بے معنی تکلّف ہے۔ " الم " کا یہاں کوئی اعراب نہیں یا پھر (۲) نسبتاً معقول صورت ہے۔

---

[1] دیکھئے العکبری (مشکل اعراب القرآن) ج ۱ ص ۱۵

[2] ابن الانباری (البیان) ج ۱ ص ۴۳ اور العکبری (مشکل) ج ۱ ص ۱۵ — خیال رہے کہ " غیر ظاہر اعراب " میں رفع نصب جر تینوں ثابت کر دکھانا عام نحوی بازی گری ہے جس کا ایک نمونہ آپ نے یہاں ملاحظہ کیا ہے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

[ذٰلِكَ الكِتٰبُ] میں " ذٰلكَ " اسم اشارہ بعید للمذکر ہے اور بلحاظ اعراب اس میں حسب ذیل امکانات موجود ہیں :۔

(۱) " ذٰلكَ " مبتداء مرفوع ہے اور " الکتاب " اس کی خبر (معرفہ) ہو کر مرفوع ہے۔ اور اس میں لام عہد کا ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا : " یہ (وہی) کتاب ہے" یا "یہ ہی تو کتاب ہے"۔

(۲) " ذٰلكَ " اسم اشارہ اور " الکتاب " اس کا مشارٌ الیہ ہے (جسے اس کا بدل بھی کہہ سکتے ہیں) ۔ اور یہ پورا مرکب اشاری مبتدأ ہو کر مرفوع ہے ۔ اس صورت میں اگلی عبارت " لَارَیْبَ فِیْہِ " (جس کے اعراب اور ترکیب کی بات ابھی آگے آرہی ہے) اس کی خبر ہے اور ترجمہ ہوگا: " یہ کتاب ' لاریب فیہ ' ہے یعنی "یہ کتاب (وہ ہے) جس میں کچھ بھی شک نہیں ہے"۔

(۳) " ذٰلكَ الکتاب " پورا مرکب کسی مقدر مبتدأ (مثلاً ھُوَ) کی خبر مرفوع بھی ہو سکتا ہے اس کا ترجمہ ہوگا : وہ " یہ کتاب " ہے ۔

[لَا رَیْبَ] میں " لَا " نفی جنس کے لئے ہے اور " رَیْبَ " اس " لَا " کا اسم ہے جو ہمیشہ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے ۔[یعنی لائے نفی جنس اور اس کا اسم (اگر مفرد یعنی غیر مرکب لفظ ہو تو) " خمسۃَ عشرَ " وغیرہ (۱۱ سے انیس تک) اعداد کی طرح ہمیشہ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے[1]] ۔ یہاں " ریبَ " کو منصوب (یا محلاً منصوب) بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ لائے نفی جنس کا " اسم " ہے ۔

[فِیْهِ] جار مجرور مل کر " لَا " کے لئے قائم مقام خبر ہو کر محلاً مرفوع ہے ۔ گویا دراصل ہے " لاریبَ (موجودٌ یا کائنٌ) فِیْہِ " ـــ اور اس کا لفظی ترجمہ ہوگا :

---

[1] اگر لائے نفی الجنس کا اسم "مرکب" ہو کر آرہا ہو تو وہ منصوب تنوین (ـً) بھی آتا ہے مثالوں کے لئے دیکھئے تجدید النحو (شوقی ضیف) ص نمبر ۱۵۰ یا نحو کی کسی کتاب میں لائے نفی جنس کا بیان ۔ تاہم قرآن کریم میں یہ (مرکب اسم) کہیں استعمال نہیں ہوا۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

" نہیں ہے کسی طرح کا شک ـــ اس میں۔ (یعنی اس کے منجانب اللہ ہونے میں)

(۱) اور یہ پورا جملہ (لاریب فیہ) " ذلك " کی خبر ثانی ہو کر محلِّ رفع میں ہے (پہلی خبر " الکتاب " ہے) اس طرح ترجمہ ہوگا : " یہ ہی کتاب ہے (اور یہ) " لاریب فیہ " ہے۔

(۲) یا یہ جملہ (لاریب فیہ) " ذلك الکتاب " (مرکب اشاری) کی خبر اوّل ہو کر محل رفع میں ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا : " یہ کتاب " لاریب فیہ " ہے "۔

(۳) یا یہ جملہ (لاریب فیہ) " الکتاب " کا حال (محلاً منصوب) بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا : " یہ کتاب " لاریب فیہ " ہو کر آئی ہے "۔ مگر یہ ترجمہ اردو محاورے میں فِٹ نہیں بیٹھتا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو مترجمین نے اس ترکیب کو نظر انداز کر دیا ہے

[هُدًى لِلْمُتَّقِين] میں " هُدًى " اسم مقصور ہے اس کا اعراب حرکات سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس کا اعراب ہمیشہ تقدیری یا محلی ہوتا ہے " للمتقین " جار مجرور مل کر " ھدی " سے متعلق ہے اور اس کا ترجمہ " ھدی " کی نحوی ترکیب کے مطابق ہوگا (ھدی = رہنمائی ، للمتقین = متقیوں کے لئے) ۔ ترکیب نحوی کے لحاظ سے اس پورے مرکب یا جملہ (ھدی للمتقین) کے اعراب میں بھی کئی امکان ہیں مثلاً :-

(۱) یہ " ذلك " کی تیسری خبر (پہلی الکتاب ، دوسری لاریب فیہ) ہے لہٰذا یہاں " ھدًی " محل رفع میں ہے۔ اس صورت میں ترجمہ کی " ترتیب " یہ ہوگی : " یہ ہی کتاب ہے ، لاریب فیہ ہے۔ " ھدًی للمتقین " ہے۔

(۲) یا یہ (ھدی للمتقین) " ذلك الکتاب " (مرکب اشاری) کی دوسری خبر مرفوع ہے اس صورت میں ترجمہ کی ترتیب یوں ہوگی : " یہ کتاب۔ لاریب فیہ ہے۔ ھدًی للمتقین ہے "۔

(۳) اور یہ عبارت ایک مقدر مبتدأ کی خبر مرفوع بھی ہو سکتی ہے یعنی (ھُوَ) " ھدًی للمتقین " (اس صورت میں اصل خبر تو " ھدًی " ہوگی اور " للمتقین "

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

جارمجرور متعلق خبر ہوگا) اور ترجمہ ہوگا: "وہ "ھدی" ہے واسطے "متقیوں" کے"۔

(۴) اور یہ بھی ممکن ہے کہ "فیہ" کو شبہ جملہ (جار مجرور) مقدم سمجھا جائے اور "ھدًی" کو اس کا مبتدأ مؤخر مرفوع قرار دیا جائے۔ اس صورت میں لائے نفی جنس کی خبر محذوف سمجھی جائے گی اور وقف "لاریب" پر ہونا چاہیئے۔ اور "فیہ ھدی للمتقین" پورا جملہ "ذلک الکتاب" کی صفت یا خبر سمجھا جائے گا اور ترجمہ ہوگا: "اس میں "ھدی للمتقین" ہے"۔

(۵) اور "ھدی" کو "ذلک الکتاب" کا حال (منصوب) بھی سمجھا جا سکتا ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا: "یہ کتاب...... ھدی للمتقین ہو کر آئی ہے"۔ مگر یہ ترجمہ بھی اردو محاورے میں غیر مانوس لگتا ہے۔ دیکھئے اوپر [فیہ میں] (۳)

● آپ نے مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) میں دیکھا ہوگا کہ اس آیت میں دو "علامتِ معانقہ" (∴) موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کسی ایک علامتِ معانقہ (∴) پر وقف کر سکتے ہیں۔ دونوں پر نہیں۔ اگر آپ مذکورہ بالا نحوی تراکیب پر غور کریں تو آپ اس "معانقہ" کی وجہ سمجھ سکتے ہیں۔ بیشتر تراکیب کے مطابق فیہ کا تعلق اپنے سے پہلی عبارت کے ساتھ ہے [دیکھئے لاریب فیہ کے تحت (۱)، (۲)، (۳) اور "ھدًی للمتقین" کے تحت بھی (۱)، (۲)، (۳)]۔ صرف ایک ترکیب کے مطابق "فیہ" اپنے سے بعد والی عبارت سے متعلق ہے [دیکھئے "ھدی للمتقین" کے تحت (۴)]۔ گویا زیادہ نحوی تراکیب "فیہ" پر وقف کے حق میں جاتی ہیں۔ اور "فیہ" کو آگے لے جانے (ملانے) سے لا نفی جنس کی خبر بھی محذوف ماننا پڑتی ہے۔ تاہم اس ترکیب کو بھی نحویوں (اور قاریوں) نے اہمیت دی ہے۔ چنانچہ تمام افریقی (ماسوائے مصر) مصاحف میں یہ علامتِ معانقہ نہیں ہوتی بلکہ "لاریب" پر ہی علامتِ

© rasailojaraid
© rasailojaraid

وقف دی جاتی ہے ۔

۲ : ۱ : ۳ الرسم

الم ٥ ذٰلِكَ الكتب لاریب فیہ ھدی للمتقین ٥

[الم] کی کتابت اس کے تلفّظ سے مختلف ہے ۔ اس میں لام اور میم کو ملا کر (لم) لکھا جاتا ہے (الف تو اپنے مابعد کے ساتھ ملا کر لکھا جا سکتا ہی نہیں) ۔ نہ تو اسے حروف تہجّی کی طرح الگ الگ (ا ل م) لکھا جاتا ہے (جیسے ہم مادہ کے حروف بتاتے وقت لکھتے آرہے ہیں) ۔ اور نہ ہی اسے تلفظ کے مطابق (الف لام میم) لکھا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں تمام حروف مقطعات (جو بعض سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں) کے لکھنے کا طریقہ یہی ہے اور یہ رسم عثمانی پر مبنی ہے ۔ اس لیے ان کا تلفّظ شفوی (زبانی) تعلیم پر منحصر ہے ۔

[ذٰلِكَ] ہمیشہ بحذف الف لکھا جاتا ہے ۔ یعنی " ذ " کے بعد الف نہیں لکھا جاتا ۔ اگرچہ پڑھا ضرور جاتا ہے ۔ نہ صرف قرآن کریم میں ہر جگہ بلکہ عام عربی املاء (رسم قیاسی) میں بھی ہمیشہ یہ لفظ " ذٰلك " اسی املاء (بحذف الالف بین الذال و اللام) سے لکھا جاتا ہے چاہے یہی شکل (ذٰلك) ہو یا اس کے آخر کا کاف خطاب ضمیر مخاطب کی کسی شکل میں آئے مثلاً ذٰلکما ، ذٰلکم ، ذٰلکن کی صورت میں ۔ اس لفظ کی یہ املاء رسم عثمانی کے مطابق ہے اور عربی املاء میں رسم عثمانی کے اثرات کا ایک مظہر ہے ۔ عربی زبان میں متعدد ایسے کلمات ہیں جن کی املاء آج بھی ان کے تلفّظ کے مطابق نہیں بلکہ رسم عثمانی کے مطابق غیر قیاسی ہے ۔ اس کی مثالیں اسماء اشارہ میں زیادہ ملتی ہیں ۔ مثلاً " ھاذا " کی بجائے " ھٰذا "، " ھاؤلاءِ " کی بجائے " ھٰؤلاءِ " اور " اُلائك " کی بجائے " اولٰئك " لکھتے ہیں ۔ قرآن میں بھی اور قرآن سے باہر بھی ۔ اس قسم کی کئی مثالیں ہمارے سامنے آئیں گی ۔

© rasailojarai
© rasailojarai

[الکتٰب] کے شروع میں تو ھمزۃ الوصل (لام تعریف کا) ہے اس لئے "ذٰلِکَ" کے "لِکَ" کو الکتاب کے "لْ" سے ملا کر پڑھا جاتا ہے۔
ائمۂ رسم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ (کتاب) قرآن کریم میں ہمیشہ بحذف الف (کتٰب) لکھا جاتا ہے یعنی "ت" کے بعد "ا" نہیں لکھا جاتا۔ تاہم پڑھا "کتاب" ہی جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ڈھائی سو (۲۵۰) سے زیادہ دفعہ آیا ہے — ان میں سے صرف چار مقررہ مقامات[1] [الرعد: ۳۸ الحجر: ۴، الکھف: ۲۷ اور النمل: ۱] اسے باثبات الف (کتاب) لکھا جاتا ہے باقی سب جگہ اسے بحذف الف ہی لکھا جاتا ہے۔ نکرہ ہو یا معرفہ، مفرد ہو یا کسی ترکیب میں آ رہا ہو۔ عام عربی املاء میں اسے ہمیشہ باثبات الف (کتاب) لکھتے ہیں۔

[لاریب فیہ] کی املاء عام (قیاسی) املاء ہے۔
[ھُدًی] میں "د" کے بعد "ی" (خالی) لکھی جاتی ہے۔ اس لفظ کی یہ املاء رسم عثمانی کے مطابق بھی ہے اور اس کی قیاسی املاء بھی یہی (ھدی) ہے۔ کیونکہ یہ اسم مقصور — ناقص یائی سے — ہے مگر یہ پڑھا "ھُدَنْ" جاتا ہے اور اس تلفظ کو ضبط کے ایک خاص طریقے سے ظاہر کیا جاتا ہے جس کا ذکر آگے "الضبط" میں آ رہا ہے۔
[للمتقین] دو لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے یعنی اس کا رسم بھی عام املاء کے مطابق ہی ہے۔ قاعدہ (قیاسی) یہ ہے کہ جب ھمزۃ الوصل کے بعد لام ہو (مثلاً معرف باللام ہو یا الذی وغیرہ کی صورت میں) اور اس سے پہلے بھی لام الجر یا

---

[1] صرف صاحب نثر المرجان نے "خزانۃ الرسوم" کے حوالے سے ایک پانچویں مقام پر بھی اثبات الف کا ذکر کیا ہے یعنی البقرہ: ۱۰۱ میں۔ تاہم علم الرسم کی کسی اور کتاب میں یہ بات بیان نہیں ہوئی۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

لام تعجب وغیرہ آجائے تو اس ھمزۃ الوصل کا خطاً اور لفظاً دونوں طرح ساقط ہونا صرف رسم عثمانی کی خصوصیت نہیں بلکہ عام قیاسی املاء کا قاعدہ بھی یہی ہے۔

۲:۱:۴ الضبط

الم ۝ ذلك الكتب لاريب فيه هدى للمتقين ۝

آیت زیرِ مطالعہ کے کلمات کے ضبط میں حسب ذیل امور قابلِ ذکر ہیں:

(۱) الم کا ضبط اور (۲) باقی کلمات میں مواقع اختلافِ ضبط۔

(۱) بظاہر "الم" پر کوئی علاماتِ ضبط نہیں ہونا چاہئیں۔ اس لئے کہ تمام حروفِ مقطعات کا تلفظ رسم اور ضبط پر نہیں بلکہ شفوی (زبانی) تعلیم پر منحصر ہے۔ تاہم مصاحف میں اسے مختلف طریقوں سے "مضبوط" کرکے لکھا جاتا ہے ۔۔۔ قرآن کریم میں حروفِ مقطعات کے ضبط کا عام قاعدہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ عربی زبان کے حروفِ تہجی میں سے جن حروف کا نام الف پر ختم ہوتا ہے [اور یہ کل گیارہ حروف ہیں با، تا، ثا، حا، خا، را، طا، ظا، فا، ھا اور یا] ان پر علامتِ ضبط برائے اشباع کھڑی زبر (ـٰـ) یا چھوٹا الف لکھا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے حروفِ مقطعات میں ان میں سے صرف پانچ حرف [حٰ، رٰ، طٰ، ھٰ، اور یٰ] آئے ہیں ۔۔۔

اور جن (باقی سترہ) حروفِ تہجی کا نام تین حرف کی املاء [وسطی "الف" یا "یا"] کے ساتھ لکھا جاتا ہے [مثلاً لام، نون، میم، سین، کاف، صاد وغیرہ] ان پر علامتِ مدّ (ـٓـ) ڈالی جاتی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس حرف کا نام بولتے وقت (نام کی املاء میں آنے والی "ی" یا الف کو) ذرا کھینچ کر ۔۔۔ لمبا کرکے بولنا یا پڑھنا ہے۔

● بعض دفعہ "مقطعات" میں ایسے حرف جمع ہو جاتے ہیں جن میں سے (بلحاظ تلفظ) ایک (پہلے) کا آخری "حرف" اور دوسرے حرف کا (بلحاظ تلفظ) ابتدائی "حرف" ایک ہی ہوتا ہے [جیسے لام اور میم] تو اس کے لئے دوسرے حرف پر علامتِ تشدید ڈالی جاتی ہے مثلاً "الٓمّٓ"۔ تاہم یہ تشدید والا طریقۂ ضبط صرف برصغیر اور بعض افریقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممالک [مثلاً تونس، مراکش، غانا اور لیبیا] میں اختیار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا افریقی ممالک میں " الم " کے ضبط میں " الف " پر علامت قطع (جو عموماً " ء " یا " ء " یا " ء "، کی شکل میں لکھی جاتی ہے) اور ساتھ فتحہ (َ) بھی ڈالتے ہیں بشکل (أَ)۔ اور " لام " پر مدّ (~) اور فتحہ (َ) دونوں ڈالتے ہیں اور آخری " میم " پر تشدید (ّ) اور مدّ (~) اور نیچے کسرہ (ِ) بھی ڈالتے ہیں۔ اس طرح ان ملکوں میں (ھمزہ اور حرکات کی صورت کے جزوی اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے) الم کی مضبوط شکل یوں ہوتی ہے : " أَلَٓمِّٓ "۔ نائیجیریا میں لام اور میم کے درمیان (دراصل لام پر) اور " میم " کے بعد مدّ ڈالتے ہیں (" الٓمٓ ") چین میں صرف " لام " کے اوپر ایک مد ڈالی جاتی ہے (الٓم) عرب ممالک، ترکی، ایران اور سوڈان میں صرف " لام " اور " میم " پر مدّ ڈالنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ایران میں دونوں " مدّیں " اوپر نیچے کر کے (ایک موٹی دوسری باریک) لکھی جاتی ہیں اور لام کے بعد علامت اشباع کھڑی زبر (ٰ) بھی لکھ دی جاتی ہے (" الٓمٓ ")۔ اس طرح مجموعی طور پر " الم " کے ضبط کی کُل چھ صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں جو اس بحث کے آخر پر بطور نمونہ درج کر دی گئی ہیں۔

● لفظ " ھُدًی " کا ضبط ہر ملک میں یکساں ہے یعنی " د " پر فتحتین یعنی دو زبر (ً) ڈالتے ہیں اور " ی " کو ہر طرح کی علامت ضبط سے خالی رکھا جاتا ہے۔ (تاہم یہ (ً) تنوین نصب کی علامت نہیں ہے جیسے کتاباً یا جنۃً میں ہے) تمام اسمائے مقصورہ مثلاً ضُحًی، فتًی، مصطفًی وغیرہ کے ضبط کا یہی (ھُدًی والا) طریقہ ہے۔ اور ان کا اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔

(۲) آیت کے باقی کلمات میں اختلافِ ضبط کی حسبِ ذیل صورتیں موجود ہیں :-

● ھمزۃ الوصل کی علامت ڈالنا یا نہ ڈالنا۔ اس کا اثر کلمہ " الکتٰب " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔ " المتقین " کے ھمزۃ الوصل کے ساقط ہونے کی وجہ " رسم " میں بیان ہو چکی ہے۔

● محذوف الف کو ظاہر کرنے کے طریقے کا اختلاف۔ اس کا اثر " کتٰب " اور

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

" ذٰلک " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

● یائے ساکنہ ماقبل مکسور پر علامتِ سکون ڈالنا یا نہ ڈالنا۔ اور اس کے ماقبل کی حرکت بصورت کسرہ (ـِ) یا علامتِ اشباع۔ کھڑی زیر (ـٖ) لکھنا۔ اس اختلاف کا اثر کلمہ "فیہ" اور " للمتقین " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

● الف ثابتہ (موجود) ماقبل مفتوح میں علامتِ فتحہ (ـَ) کی بجائے علامتِ اشباع "کھڑی زبر" (ـٰ) ڈالنا۔ یہ طریقہ صرف ایرانی مصاحف کی کتابت میں پایا جاتا ہے۔ اس کا مظہر کلمہ "لا" کا ضبط ہوگا۔

● بعض افریقی ممالک میں نون متطرفہ (آخری نون) پر نقطۂ اعجام نہ ڈالنا یا اس نقطے کے موضع (جگہ) کا اختلاف۔ اس کا نمونہ کلمہ " للمتقین " کے ضبط میں سامنے آئے گا۔

● افریقی ممالک (ماسوائے مصر و سوڈان) اور ایشیائی ممالک میں " لا " کے بارے میں یہ اختلاف کہ اس میں کونسا سرا "لام" اور کونسا " الف " ہے اور اس اختلاف کی بنا پر "لام" اور " الف " کی حرکات کے موضع (جگہ) کے بارے میں اختلاف مثلاً یہاں " لَا " یا " لاَ " لکھنا۔

● صرف تجویدی قرآن (پاکستان) میں راء کی بلحاظ ترقیق یا تفخیم دو الگ صورتیں "ر" اور "ر" استعمال کرنا۔ یہ فرق یہاں کلمہ "ریب" کے ضبط (بلکہ رسم) میں ظاہر ہوگا۔ یہاں "ر" مفخم ہے لھٰذا یہ لفظ "ریب" کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

● اس طرح اس آیت کے کلمات کی بلحاظ اختلافِ ضبط حسب ذیل صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:۔

الٓمّٓ   الٓمّٓ   الٓمّٓ   الٓمّٓ   الٓمٓ۔ الٓم

ذٰلِكَ   ذٰلِكَ ، ذٰلِكَ

الْكِتٰبُ ، الْكِتٰبُ ، الْكِتَابُ ، الْكِتٰبُ

© rasailojaraid

لَا رَيْبَ لَا رَيْبَ لَا رَيْبَ لَا رَيْبَ

فِيهِ فِيهِ فِيهِ فِيهِ

هُدًى هُدًى

لِّلْمُتَّقِينَ لِّلْمُتَّقِينَ لِّلْمُتَّقِينَ لِّلْمُتَّقِينَ

شمار آیات کے سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہاں "الم" پر کوفی گنتی کے مطابق سورۃ البقرہ کی پہلی آیت ختم ہوتی ہے (بسم اللہ کو شامل کرکے یا اس کے بغیر بھی)۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ایشیائی اور بہت سے افریقی ممالک میں (جہاں کوفی گنتی رائج ہے) الم ﴿۱﴾ پر آیت نمبر لکھا ہوتا ہے۔ باقی تمام طریقہ شمار آیات کے مطابق (جن میں مدنی گنتی بھی ہے جو نائیجریا، سوڈان اور لیبیا میں متداول ہے) سورۃ کی پہلی آیت "للمتقین" ﴿۱﴾ پر ختم ہوتی ہے اس طرح "الم" بلکہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" بھی پہلی آیت کا حصہ ہیں۔

بقیہ: بیمہ شریعت کی نظر میں

دستبردار ہو گیا چنانچہ جب حق ہی نہ رہا تو پھر حق تلفی کا کیا سوال، اس صورت میں اگرچہ اس کے سامنے کوئی مادی اور مالی عوض نہیں ہوتا لیکن ایک معنوی عوض ضرور موجود ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس احسان کی بدولت انجمن کے ارکان سے اس کے تعلقات زیادہ خوشگوار اور اطمینان بخش ہوں گے اور عزت میں اضافہ ہو گا جس طرح کہ مسکین کو صدقہ دینے والے کے سامنے اگرچہ کوئی مادی عوض نہیں ہوتا لیکن اللہ کی رضا و خوشنودی اور اخروی اجر و ثواب کی صورت میں معنوی اور روحانی عوض موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے۔

احسانی بیمہ کی جو شکل اوپر عرض کی گئی ہے اگرچہ ناممکن العمل نہیں لیکن آج معاشرے کے عام طور پر جو ذہنی اور خارجی حالات ہیں ان میں اس پر عمل کرنا خاصا مشکل اور دیر طلب کام ضرور ہے مسلسل اور بھرپور کوشش کرنے سے ان شاء اللہ ضرور کامیابی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ شکل میوچل بیمہ سے کچھ ملتی جلتی ہے جو بعض ممالک میں عملاً قائم اور رائج ہے۔

© rasailojaraid.

تحریک رجوع الی القرآن

دینی تعلیم کا ایک سالہ نصاب

عربی زبان سیکھ کر قرآن حکیم کا براہِ راست فہم حاصل کرنے کا بہترین موقع

—— لطف الرحمٰن خان

یہ بات اراکینِ انجمن کے علم میں ہے کہ قرآن اکیڈمی کے قیام کا اصل مقصد ایسے تعلیم یافتہ افراد کی تیاری ہے جو جدید علوم کی کسی بھی شاخ میں اعلیٰ علمی استعداد کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور قرآنی علوم پر بھی خاطر خواہ دسترس رکھتے ہوں تاکہ وہ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کو دورِ حاضر کی اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں۔ کسی بھی علمی تحریک کی کامیابی کے لئے ایسے ادارے کا وجود ضروری ہے جو اس علمی کیفیت کو مستقل کی آبیاری کر سکے اور اس عمل کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ اکیڈمی کی تعمیرات کی تکمیل کے فوراً بعد ۱۹۸۲ء میں فیلو شپ اسکیم کا آغاز کیا گیا جس میں سات اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے تعلیم و تعلّمِ قرآن کے لئے زندگی وقف کرنے کے عزم کے ساتھ شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ان میں سے اکثر آج بھی رجوع الی القرآن کی اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں "دو سالہ تدریسی کورس" کے نام سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کا آغاز کیا گیا جس میں ترجیحاً ایم۔ اے اور بی۔ اے پاس طلبہ کو داخلہ دیا جاتا تھا اور دو سال کے عرصہ میں عربی اور ترجمہء قرآن کی بھرپور تعلیم کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک اس کورس میں چار گروپوں کے داخلے ہوئے جن میں داخلہ لینے والے طلبا کی مجموعی تعداد تقریباً ۸۰ تھی جبکہ تعلیم کی تکمیل کرنے والے طلبا کی مجموعی تعداد تقریباً ۳۰ رہی۔

"دو سالہ تدریسی کورس" میں تعلیم مکمل کرنے والے اکثر طلبا نے اپنے اپنے طبعی میلان اور صلاحیت کے مطابق میدانِ عمل منتخب کر کے ہماری تحریک رجوع الی القرآن کے ساتھ براہ راست وابستگی اختیار کی ہے اور اس سلسلے میں گرانقدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ تعلیم مکمل کرنے والے جو طلبہ اپنی معاشی جدوجہد میں واپس چلے گئے ہیں وہ بھی اپنے اپنے حلقہ میں کسی نہ کسی انداز میں قرآن کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کی یہ خدمات بھی ہماری تحریک کا بالواسطہ اثاثہ ہیں۔

جو طلباء تعلیم مکمل نہ کر سکے ان کے متعلق ہمارا احساس اور مشاہدہ یہ ہے کہ وہ بھی کلیتاً تہی دامن

© rasailojaraid